GUMAN
گُمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"The Short Story Collection 'Aas Paas' in the Mirror of Feminist Issues"

افسانوی مجموعہ "آس پاس" تانیثی مسائل کے آئینے میں

Dr. Muhammad Khurram Yasin (Corresp.Author)
Lecturer, Govt. College Women Univesity, Sialkot
khuram.yasin@gcwus.edu.pk

Dr. Muhammad Awais Saleemi
Assist. Controller of Examination, Govt. College Univeristy, Fsd.
mawaissaleemi@gmail.com

Dr. Ghulam Mustafa Farooq
Assistant Education Officer, Faisalabad
ghulammustafa7600@gmail.com

SCAN ME

Abstract

*Ahmed Nadeem Qasmi's short story collection, especially *Aas Paas*, intricately portrays the struggles, resilience, and emotional turmoil of women in a patriarchal society. Through characters like Khani, consumed by the fires of youth, Gulzar, the wife of a soldier, Piari Begum, the head clerk's wife, the nomadic beauty, the devoted Shahida, and the beautiful Shamsu, Qasmi explores the societal expectations placed on women, their economic dependence on men, and the barriers they face in securing independence. These narratives vividly depict the tension between personal desires and societal pressures, often leading to emotional distress and unfulfilled dreams. Qasmi skillfully uses individual stories to reflect broader societal issues. For instance, the character of "Churil" sheds light on the mental and physical struggles faced by women during the Partition, emphasizing their vulnerability and the stigma surrounding mental health. These stories invite reflection on the persistence of gender inequalities, where women must battle social, economic, and emotional constraints to survive. Through a wide spectrum of female characters—ranging from traditional roles like the elderly mother grieving her fallen sons to the nomadic beauty challenging societal norms—Qasmi challenges conventional ideas of femininity and exposes the deep-seated prejudices that hinder women's autonomy and emotional well-being. His feminist critique reveals how ingrained gender norms continue to marginalize women, objectifying them and limiting their opportunities for self-determination.The stories in *Aas Paas* transcend mere reflections of reality; they act as catalysts for change, urging readers to confront the complexities of gender dynamics and to advocate for a more just and equitable society. This article examines Qasmi's feminist approach, exploring whether the issues presented in *Aas Paas* are relics of the past or remain relevant in contemporary times.*

Key Words: Feminism, Partition, Ahmad Nadeem Qasmi, Witch, World War

GUMAN
گُمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

ملخص:

احمد ندیم قاسمی کے افسانوی مجموعے، بالخصوص "آس پاس" میں شامل کہانیاں، پدر شاہی معاشرے میں خواتین کو درپیش تانیثی مسائل اور ان کے خلاف ان کی جدوجہد اور استقامت کو پیش کرتی ہیں۔ ان کہانیوں میں تانیثی کردار جیسے جوانی کی آگ میں دہکتی تنہا اور مجبور "خانی"، حوالدار کی بیگم "گلزار"، ہیڈ کلرک کی پیار کو ترسی "پیاری بیگم"، لاچار "خانہ بدوش حسینہ"، خدمت شعار "شاہدہ" منگیتر سے متنفر حسین و جمیل "شمسو"، تین جوان فوجی بیٹوں کی میت پر آنسو بہاتی "بوڑھی ماں" کے ذریعے احمد ندیم قاسمی خواتین پر عائد پابندیوں، سماجی توقعات، مردوں پر اقتصادی انحصار، اور روزگار کے حصول میں درپیش رکاوٹوں کا احوال بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کرداروں کے ذریعے سماجی دباؤ اور ذاتی خواہشات کے مابین اس تصادم کا بھی نہایت باریک بینی سے مشاہدہ پیش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں جذباتی اضطراب اور نامکمل خواہشات جنم لیتی ہیں۔ احمد ندیم قاسمی انفرادی کہانیوں کے پردے میں بڑی خوبی سے اجتماعی مسائل کو اجاگر کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً "چڑیل" کا کردار تقسیمِ ہند کے دوران خواتین کو پیش آنے والے اجتماعی ذہنی اور جسمانی مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ افسانے ایک ایسے پدر شاہی معاشرے میں خواتین کے کردار کے بارے میں دعوتِ فکر دیتے ہیں جہاں بہت سے صنفی امتیازات بہر حال روا رکھے گئے ہیں اور خواتین کو زندگی گزارنے کے لیے سخت مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس مقالے میں اسی ضمن میں "آس پاس" میں شامل افسانوں کا تانیثی مسائل کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا یہ مسائل محض خواب و خیال ہیں، عہدِ پارینہ کا حصہ ہو چکے یا اب بھی ان میں کوئی صداقت موجود ہے؟

کلیدی الفاظ: احمد ندیم قاسمی، تانیثیت، تقسیم، چڑیل، جنگِ عظیم

افسانوی مجموعہ "آس پاس" تانیثی مسائل کے آئینے میں

احمد ندیم قاسمی ایک ایسے ادیب تھے جن کی قلم سے انسانیت کی آواز گونجتی تھی۔ ان کی نظم و نثر میں انسان دوستی کے بہت سے اشارات ملتے ہیں۔ جنگِ عظیم اول و دوم اور تقسیم کے المیے، ان کے برصغیر کے باشندوں پر اثرات اور دیہی زندگی کے مسائل ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ان موضوعات میں وہ انسانی تشخص کی گم نامی کے محرکات اور بازیابی کی کھوج میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مردوں کی نسبت خواتین کرداروں کے ساتھ زیادہ ہمدردی کا رجحان ملتا ہے۔ خواتین کے ساتھ غم گساری کے جذبات ان کے دیگر افسانوی مجموعوں کی طرح "آس پاس" میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ چنانچہ اس مجموعے میں بے سہارا "خانی"، مصروف ہیڈ کلرک کی "پیاری بیگم"، خوبصورت افسانے لکھنے والی ناقابلِ قبول "کم صورت لڑکی"، لیبیا میں مرنے والے فوجی کی "جسم فروش بیوہ"، رقص کرتی "خانہ بدوش حسینہ"، آخری عمر میں بھی شوہر کی تمام تر سرمہری کے باوجود

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اس کی خدمت شعار "شاہدہ"، بیمار منگیتر سے جان چھڑانے کی کوشش میں مبتلا حسین و جمیل "شمسو"، موت کے منتظر ناکام عاشق کی محبوبہ "کلثوم"، شاعر سے عشق اور حوالدار سے شادی کرنے والی "گلزار"، یکے بعد دیگرے تین جوان فوجی بیٹوں کی شہادت کی خبر سننے والی "بوڑھی ماں" اور تقسیم کے فسادات میں عزت و ناموس گنوا کر پتھروں کے ڈھیر پر بچے کو جنم دینے والی "چڑیل" ایسے کردار ہیں جو کہیں معاشرتی جبر میں جکڑے ہیں، کہیں تقسیم کے فسادات کو سہہ رہے ہیں اور کہیں معاشی مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ سب کردار قارئین کے ضمیر کو جھنجوڑتے ہیں، نئے مباحث کا آغاز کرتے ہیں اور مستقل بنیادوں پر مسائل کے حل کی دعوت دیتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے ان سبھی کرداروں کو بہت مشاقی سے پیش کیا ہے اور زندگی سے جڑے حقیقی مسائل کو سامنے لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

"آس پاس" کا پہلا افسانہ "اکیلی" دل میں چھپی ہزاروں جوان امنگوں سے بھرپور ایک ایسی بے سہارا لڑکی "خانی" کا قصہ ہے جس کے سر میں سفیدی اتر رہی ہے لیکن نہ تو اسے کوئی جذباتی سہارا میسر ہے اور نہ ہی گھر میں کوئی ایسا بڑا بچا ہے جو اسے عزت سے سسرال رخصت کر سکے۔ خانی کے والدین فوت ہو چکے ہیں اور چھوٹا بھائی "جمعہ خان" عرف جمو کی کفالت اس کے ذمے ہے۔ افسانے کا زمان و مکان دیہات سے جڑا ہے جس کی وجہ سے اُسے گھر سے باہر قدم رکھنے یا محنت مزدوری کرنے پر کئی قسم کی معاشرتی قباحتوں کا سامنا ہے۔ اسی سبب اسے جمو کی کفالت اور خود اپنی گزر بسر کے لیے متعدد مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر اس تھیلی میں سے ایک ایک پیسہ خرچ کرتی ہے جو وفات سے قبل اس کے والد نے تھمائی تھی اور اس کے پاؤں میں اس وعدے کی زنجیر ڈال دی تھی کہ وہ کبھی بھی گھر سے باہر پاؤں نہیں رکھے گی تاوقت یہ کہ اس کا بھائی جمو بڑا ہو جائے ، کچھ کھانے کمانے لگے اور اس کا کفیل بن جائے۔ خانی کا گھر چوں کہ شرافت اور وقار میں دیہات کے اچھے گھروں میں شمار ہوتا تھا اور اسے بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں سے بھی ایک مخصوص فاصلے پر رکھا گیا تھا اس لیے والدین کی وفات کے بعد بھی وہ بچپن کی اس مشق سے جان نہ چھڑا پائی اور تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ ایک جانب تو اس کی سہیلیاں نہ ہونے کے برابر تھیں اور دوسری جانب خاندانی شرافت اور وقار کا وہ معیار تھا جسے ہر صورت میں قائم رکھتے وہ غربت اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ گھر رہ کر مشکل سے گزارہ کرنے پر قناعت کر لیتی لیکن دوسری پنہاریوں کی طرح نہ تو پنگھٹ پر پانی لینے جاتی اور نہ ہی کوئی ایسا قدم اٹھاتی جس سے کوئی بھی غیر اخلاقی بات اس کی ذات یا خاندان سے منسوب ہو سکے۔ انھی فکروں میں خانی کی عمر تیزی سے گزرتی ہے اور وہ غیر ضروری جذباتیت، ذہنی دباؤ اور تناؤ، ناامیدی اور مایوسی کی جانب بڑھتی جاتی ہے۔ ان حالات و واقعات میں ایک نوجوان اسلم جب جمو کو اس بات پر تنگ کرتا ہے کہ وہ ان کے کھیت سے بیر چرا لایا ہے تو خانی چھت سے جمو کو ڈانٹتی ہے اور اسلم کو بیر چوری کے الزام کی وجہ سے طنز کا نشانہ بناتی ہے۔ جھگڑے اور تناؤ کے اس ماحول کے باوجود خانی کو اسلم کی صورت میں نفسیاتی سہارا دکھتا ہے اور لاشعوری طور پر اس کے دل میں اسلم کے لیے جب کہ اسلم کے دل میں اس کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ساون کی ایک رات میں جب خانی تنہائی کی وحشت میں مبتلا ہو کر بنا وجہ پانی کا گھڑا لیے باہر نکلتی ہے اچانک بارش طوفانی ہو جاتی ہے اور وہ مجبوراً اسلم کے چوپال میں پناہ لیتی ہے۔ یہاں اس کی اتفاقی ملاقات اسلم سے ہوتی ہے جو اسے پیار سے پکارتا ہے لیکن خانی ڈر کر واپس گھر کی جانب دوڑ لگا دیتی ہے۔

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اس افسانے میں خانی کا کردار کئی تانیثی مسائل کو اجاگر کرتا ہے۔اول یہ کہ خانی ایسی لڑکیاں جن کی تربیت زیادہ سخت ماحول میں کی جاتی ہے اور معاشرتی طور پر خود سے لوگوں کے رویوں کو سیکھنے اور پرکھنے نہیں دیا جاتا، وہ عمر گزرنے کے ساتھ کئی قسم کے التباسات و اشکالات کا شکار ہو کر لوگوں سے آسانی سے دھوکا کھا سکتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں کو جلد چند چکنی چپڑی باتوں سے عشق محبت کے جال میں پھنسایا اور استحصال کیا جا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ ایسی ہزاروں نہیں لاکھوں خواتین ایسے معاشروں میں تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جن کا والی وارث نہ رہا ہو، خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہوں، رنگ گہرا گندمی یا سیاہی مائل ہو، والدین کم زور ہوں، گھر اچھا نہ ہو یا جہیز کے مسائل ہوں۔ ایسی لڑکیوں کے عموماً اچھے رشتے نہیں آتے اور جو بے جوڑ رشتے آتے ہیں انھیں قسمت سمجھ کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ ایسے رشتے یا تو زیادہ دیر چل نہیں پاتے اور چلتے ہیں تو ان میں کسی ایک فریق کی اور بادی النظر میں اولاد کی زندگی نفسیاتی سطح پر متاثر ہونے کا امکان رہتا ہے۔ سوم یہ کہ پاکستان ایسے معاشرے میں زیادہ خواتین معاشی طور پر خوش حال یا خود مختار نہیں ہیں اس لیے عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ شادی کے حوالے سے ذہنی خلفشار بڑھتا جاتا ہے جس کا اظہار وہ لاشعوری طور پر غیر مناسب انداز میں کرتی ہیں۔ اس سے ان کے متعلقین کی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔ چہارم یہ کہ اگر ایسی خواتین معاشی سرگرمیوں میں مبتلا ہوں تو یا تو ان کے والدین جلدی شادی نہیں کرتے اور اگر وہ گھر کی کفالت کر رہی ہوں تو کفالت کرتے کرتے خود کو فراموش کر دیتی ہیں۔ یوں ایک عمر کے بعد ان کی لیے آنے والے رشتوں میں معاشی استحکام کی وجہ سے لالچ کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ پنجم یہ کہ خانی ایسی خواتین گھر کی عزت اور وقار کے ضمن میں اپنے لیے ایسے ہم سفر کو تلاش کرنے میں ناکام رہتی ہیں جو ان کی زندگی میں خوش حالی لا سکے۔ اس کے برعکس وہ خواتین جو اس سلسلے میں فعال ہوتی ہیں ، ان کے ایسے مسائل کا جلد حل نکل آتا ہے۔ خانی کا کردار سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر غیر مستحکم خواتین اور ان کے خاندانوں کے بارے میں بہت سے سوالات چھوڑ جاتا ہے۔

خانی کا یہ روپ ملاحظہ کیجیے جس میں اسے بہ یک وقت اپنی قسمت اور والدین کی وفات سے بہت سے گلے ہیں۔ اس کے الفاظ اس کے لاشعور کے نمائندہ ہیں اور اس کے گہرے ذہنی خلفشار کا اظہار ہیں۔ نفسیاتی طور پر اس کی گفتگو ناامیدی اور بے سکونی (Major Depressive Disorder (MDD) پر محمول کی جا سکتی ہے۔ نفسیاتی حوالے سے یہ ناامیدی خانی کو موت یا خودکشی کے خیالات پر مجبور کر سکتی ہے جب کہ یہ مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو لاشعوری طور پر بالکل ناکارہ سمجھنے لگے اور آگے بڑھنے کے دیگر راستے خود اپنی سوچ کے تحت مسدود کر دے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "پھر وہ جمو کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگی۔ اسے سینے سے لگا کر بولی "کیسے مزے سے قبرستان میں
> پڑے آرام کر رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچا کہ بیٹا بیٹی اکیلے کیا کریں گے۔ وہاں دن بھر دھوپ سینکتے ہیں رات
> بھر اندھیرے کی چادر اوڑھے۔"(1)

سہیلی سے خانی کے دل میں امڈتی امنگوں اور ناکام خواہشات کا اظہار ملاحظہ کیجیے۔ یہ اظہار اس کے ذہنی دباؤ(Depression) کا نمائندہ ہے۔

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"تمہی بتاؤ، جب گہرے کالے بادل سے سورج نکلتا ہے اور تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا کالا بادل اسے نگل جانے کے لیے بڑھا آرہا ہے تو اب تھوڑی دھوپ کے سنہری خزانے سے تم اپنی جھولیاں نہیں بھر لیتیں؟ انگڑائیاں نہیں آتیں تمہیں؟ کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تم ناچنے لگو اور ناچتے ناچتے اوپر اڑنے لگو۔ اور اڑتے اڑتے ان بادلوں کو چیر کر آگے نکل جاؤ اور تاروں اور نیلاہٹوں اور چاند سورج اور۔۔۔ہائے ری، میں کیسی پاگل ہوں۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں دبا کر سہم جاتی۔" (2)

جمو کے منانے اور بڑی بہن کو گڑیا کہنے پر خانی کا ذہنی تناؤ ان الفاظ سے جانچا جا سکتا ہے جس میں اسے اپنی غربت کا پورا احساس ہے اور اس سے میں بیان کیا گیا ہے:

اتنی لمبی اور اتنی پتلی، اور پھر ایسے میلے کپڑوں والی۔ نہ ریشم کا دوپٹہ، نہ سونے کا جھومر، نہ طلائی جوتا۔ بس ایک ہنسلی ہی ہنسلی۔ بڑی گندی گڑیا ہے تمھاری۔" (3)

جمو کو چوں کہ خانی بیٹے کی طرح پال رہی ہے اس لیے ایک جانب اس میں ماتا کا جذبہ جاگ رہا ہے دوسرا وہ اسے اپنے لیے سہارا سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مدرسے چلے جانے کے بعد جمو مختلف التباسات (Hallucination) کا شکار ہو جاتی ہے۔ جمو کا بیان اس کے نفسیاتی مسائل کا آئینہ ہے۔ ہیلوسی نیشن کا شکار مریض اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے خاصا بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسا مریض ایسی حالت میں لاشعوری طور پر خود کو اور دوسروں کو جان سے مار دینے تک کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ ایسا مریض معاشرتی طور پر سب سے کٹ کر زندگی گزارنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ خانی کا معاملہ دو طرفہ خرابی کا شکار ہے۔ ایک جانب اس کی ہیلوسی نیشن کا محرک ہی تنہائی ہے دوسری جانب ہیلوسی نیشن کی وجہ سے وہ سب سے دور ہو رہی ہے البتہ اس کے لاشعور میں اس کے خلاف ایک مزاحمت بھی پیدا ہو رہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

"تم جب مدرسے چلے جاتے ہو نا تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ دیواریں ہولے ہولے سرکتی آرہی ہیں اور میں گھٹی جا رہی ہوں۔ تب مجھے بڑے ڈراؤنے خیال آتے ہیں۔ رنگ رنگ کے چہرے نظر آتے ہیں۔ کئی اتنے خوبصورت جیسے آگ کے پھولوں کا گچھا۔ کئی ایسے بھیانک جیسے وہ کونے میں پڑی ہوئی ہنڈیا۔ اتنے اتنے دانت اور یہ ناخن اور۔۔۔"(4)

اسی طرح جمو کو پری اور پھول کی کہانیاں سنانا جن میں پھول کو چومنے سے پھول شہزادہ بن جاتا ہے اور پری آہستہ آہستہ مر جاتی ہے، بھی اس کے لاشعوری مسائل کی آئینہ دار ہیں۔ خانی کی تنہائی کے اسباب میں اس کے والدین کی غیر ضروری احتیاط کا سب سے زیادہ عمل دخل تھا۔ والدہ کی وفات کے بعد والد اور بھائی کے درمیان وہ بالکل تنہا تھی۔ باہر جانے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی کیوں کہ پانی گھر پر پہنچا دیا جاتا تھا، لوگوں سے غیر ضروری طور پر ڈرایا جاتا تھا اور وضع داری کو کھو دینے کے ڈر سے پاس پڑوس سے فاصلہ بنائے رکھنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک ایسے دن میں جب کہ بارش

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

برس رہی تھی، خانی، جو عام دنوں میں بھی کبھی گھر سے باہر نہ نکلتی تھی، جذبات میں بے قابو ہو کر گاگر سر پر رکھے باہر نکلی اور جب بارش میں پھنس کر اسلم کی چوپال میں پہنچی تو اسلم نے اس سے گفتگو کرنا چاہی۔ ان کمزور لمحوں میں جب کہ خانی کے دل میں جذبات کا طوفان برپا تھا، اس نے خاندانی ناموس کا خیال کرتے ہوئے وہاں سے فرار حاصل کی اور گھر کی چار دیواری میں سکون محسوس کیا۔

> "ایک بار تو خانی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اکیلے پن کی جو ریاضت کی تھی اس کا اجر ملنے والا ہے۔ خود سپردگی کے نہایت شدید احساس نے اس کے جسم کو بالکل بے جان کر دیا۔ جیسے وہ دنیا میں اکیلی نہیں رہی، جیسے خدا نے اسے بہت طویل اور کڑی آزمائش کے بعد تنہائیوں سے چھٹکارا دلا دیا ہے۔ اس نے چاہا کہ اسلم سے لپٹ جائے، اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ دے اور اس سے دوہوں میں باتیں کرے لیکن اچانک اپنے کندھے پر اسلم کے ہاتھ کو محسوس کر کے تڑپ اٹھی، گاگر سنبھالتی جھپٹ کر باہر نکلی ۔۔۔ گلیوں میں یوں دوڑنے لگی جیسے وہ رقص کے اختتامی چکر میں بے خود ہو گئی ہے۔"(5)

احمد ندیم قاسمی نے یہاں خانی کی فرار اور گھر کو پناہ قرار دے کر افسانے کا خاتمہ کیا ہے لیکن یہ سوال پھر بھی موجود رہتا ہے کہ خانی ایسی کتنی لڑکیاں اس تنہائی اور قربت سے فرار حاصل کر سکتی ہیں؟ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسی لڑکیوں کی تربیت میں غیر ضروری پابندیاں کم کی جائیں، ذات کے اظہار کا موقع دیا جائے اور ان کی غربت کی وجہ سے منھ موڑنے کے بجائے انھیں تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ اسلم ایسے لوگ ان کی تنہائی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں؟

دوسرے افسانے "بھری دنیا میں" زندگی کی بے ثباتی، حسن کے زوال اور محبتوں کے انجام کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بہ یک وقت کئی کہانیاں ساتھ چلتی ہیں۔ یہ کہانیاں واحد متکلم سناتا ہے اور ہر کہانی میں جنسِ مخالف میں چاہت کے شدید جذبات پنپنے کے باوجود خود غرضی، حالات اور جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے رشتے ناطے ٹوٹتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ تانیثی حوالے سے خواتین کردار جو جوانی میں حسن کا مجسمہ تھیں ایک عرصے کے بعد طوائف کے روپ میں، نہایت مفلوک الحال یا بدصورت دکھائی گئی ہیں۔ جیسے جیسے کہانیاں آگے بڑھتی ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی پر ایک طرح کی جبریت طاری ہے اور دنیا کی تمام محبتیں المیوں کے آگے بے بس ہیں۔ پہلی کہانی میں ایک دیہاتی عاشق شہر کی ایک حسین لڑکی کے حسن کے راگ الاپتا نظر آتا ہے۔ اس کی لڑکی سے محبت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے دیہاتی لڑکے کو پسند کیا اور گویا سارے معاشرے کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے محبت کی اور اس کا بھرپور اظہار بھی کیا۔ اس لڑکی نے گو ایک دیہاتی کو سہارا دیا تھا اور محبت کی تھی لیکن جواب میں دیہاتی اسے کیا دے سکا اور معاشرے نے اس محبت کو قبول کرتے ہوئے انھیں رشتہ ازدواج میں کیوں نہ بندھنے دیا، یہ کہانی کے بنیادی سوالات ہیں۔ عاشق اور محبوبہ جن نامساعد حالات میں جدا ہوئے، ان کا واضح بیان تو افسانے میں موجود نہیں ہے البتہ اس جانب اشارہ ملتا ہے کہ دونوں کا ملاپ سماجی گروہ بندی کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا۔ دو محبت کرنے والوں کا ایک نہ ہو پانا اس معاشرے میں نیا نہیں ہے۔ معاشرے میں کچھ پابندیاں بھی ضروری ہیں اور والدین کی اطاعت بھی لیکن بچوں کو اپنی پسند ناپسند کے اظہار کا موقع بھی ضرور دیا جانا چاہیے۔ بدقسمتی سے برصغیر کے مرد اور بڑی تعداد میں خواتین اس رعایت کے تاحال

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

مستحق نہیں ہو سکے۔ دیہاتی عاشق کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ محض لڑکی ہی نے اس کے دلی جذبات کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ دیگر کسی نے نہ تو یہ جذبات دیکھے اور نہ ہی انھیں قبول کیا۔

> "ان دنوں تم سچ مچ کنول کا پھول تھیں۔ تمہاری پتیوں پر اگر کوئی بوند گرتی تو صرف پھسل کر گر جانے کے لیے۔ تمہاری پنکھڑیوں کا ہلکا ہلکا گلابی رنگ، جو مرمریں سفیدی میں مبہم سی جھلکی مارتا تھا، بالکل شفق کے مشابہ تھا۔ تم ہنستی تھیں تو صرف اس لیے کہ تم ہنسنے پر مجبور تھیں، مگر تمہارا رونا تمہاری بے لوث ہنسی سے بھی زیادہ لذت آمیز تھا۔۔۔ تم نے میرے عنفوان شباب کے باغی اور کوتاہ اندیش تقاضوں کو قدم قدم پر سہارے دیے۔ تم نے میری زندگی کے اس نئے موڑ کو خوشبوؤں اور رنگوں سے روشنیوں سے مزین کیا۔ تم نے میری چال ڈھال کے بجائے میرا دل دیکھا جو خالص دیہاتی تھا۔"(6)

دوسرا قصہ ایک اور عاشق کی زبانی اس کی محبوبہ کی تعریف اور ان کہے اقرار محبت تک محدود ہے۔ اس میں ایک ہیڈ کلرک کی اداس بیوی سے ایک بے روزگار نوجوان کا بے نام معاشقہ بیان کیا گیا ہے جو کلرک کی نوکری کے لیے درخواست گزار ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شادی شدہ اور بظاہر خوش حال خاتون کس طرح اپنی عزت داؤ پر لگا کر کسی نوجوان سے معاشقہ کر سکتی ہے۔ لوگوں سے متاثر ہونے کا سلسلہ تو انسانی زندگی میں عمر بھر چلتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر پسندیدگی کو محبت کا نام دے کر اس پر عمل بھی کیا جائے۔ یہ قصہ دراصل انسانی نفسیات کے ایک عام لیکن پیچیدہ مسئلے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ خواتین جن کے شوہر انھیں وقت نہ دے سکیں، یا بیرون ملک جا کر کئی کئی سال پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں، ان کی بیگمات گھر داری اور نفسانی خواہشات کے باعث راہِ راست سے بھٹک سکتی ہیں۔ معاشرتی دباؤ اور مذہبی خوف ایک حد تک انسان کو ذہنی خلفشار سے بچانے کا ذریعہ بنتا ہے ، ان دونوں کے کم ہوتے ہی اس کے بھٹکنے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو اپنے شریکِ حیات کی جانب سے بے اعتنائی کا شکار ہوں، دوسرے کو کسی تیسرے سے قریب کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ نفسیاتی حوالے سے اس حالت کو لیمرنس (Limerance) کہا جاتا ہے۔ جس میں ناچاہتے ہوئے بھی مخصوص حالات میں ایک شخص قریبی شخص کی رفاقت سے محرومی کے باعث دوسرے میں دلچسپی محسوس کرتا اور اس کے قریب چلا جاتا ہے۔(7)

یہ خاتون بھی بے روزگار لڑکے سے دل لگاتی ہے لیکن جلد ہی اس کا شوہر لالہ جی اسے لے کر بھارت کے ایک شہر چلا جاتا ہے تاکہ اس کا بیٹا وہیں پیدا ہو اور سچا بھارتی کہلا سکے۔ اس شادی شدہ خاتون کی محبت کو معیوب قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس سے بہتر رویہ اس کے علاج میں پوشیدہ ہے ورنہ کتنے لوگوں کو اس حرکت سے کتنی دیر تک روکا جا سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر خود نمائی کی تمام تر کاوشات اور لاکھوں کمرشل ویڈیو اکاؤنٹس اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ وقت پر اور مناسب فریق سے شادی اور بعد از شادی ایک دوسرے کو وقت دینا اور ضروریات کا خیال رکھنا ہی ان مسائل کا حل ہو سکتا ہے۔ عاشق کی زبانی سنیے کہ وہ کس طرح اپنی محبوبہ سے قربت کے لمحات کو یاد کرتا ہے جب اشاروں نظاروں میں ان کا معاشقہ شروع ہوا اور اس کے گول گپوں کے پیسے اس کی محبوبہ نے ادا کیے۔ یوں ان کے درمیان ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ چلتا رہا۔

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"جب میں نے اکنی نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو تم نے کہا تھا" مجھے آپ کی اکنی دینی تھی، وہی بھائی کو دیے دیتی ہوں۔ لیکن ابھی حساب ختم نہیں ہوا۔۔۔۔ تم نے مجھے اکنی کے گول گپے کھلائے اور اس کے بعد دیر تک کھڑکی کھولے کوئی کتاب پڑھتی رہیں اور کن انکھیوں سے مجھے دیکھتی رہیں۔ اور پھر مجھے کتاب اور کن انکھیوں کا محتاج نہ پا کر تم مسکرائیں۔ میں نے خلا میں باہیں اٹھا کر ہوا کو سینے سے لگایا اور تم شرما کر پیچھے ہٹ گئیں۔"(8)

یہ قصہ چوں کہ لڑکا خاتون کے جانے کے بہت بعد بیان کر رہا ہے اس لیے اس کے ذہن میں لڑکی کا جو تصور ہے وہ بہت سے تانیثی مسائل کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ سوشل میڈیا کے دور میں جب کہ صحت و تندرستی کے ہزاروں یوٹیوب چینل، فیس بک پیج اور انسٹاگرام اکاؤنٹس اور ڈاکٹر موجود ہیں، تب بھی پاکستان میں خواتین کے موٹاپے کا مسئلہ دنیا کے دیگر ممالک کی نسبت زیادہ ہے۔ وہ اپنی صحت کو برقرار رکھنے کی اتنی کوشش نہیں کر پاتیں جتنی ہونی چاہیے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن اور یونیسف (UNICEF) کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں آدھی سے زیادہ حاملہ خواتین خون اور خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ اسی طرح ان خواتین کی کوکھ میں پلنے والے بچے بھی خوراک کی کمی کا شکار ہیں جس کا اثر ان کے قد اور ذہانت پر بہت شدت سے پڑتا ہے۔(9) اس ضمن میں عاشق کا محبوبہ کے بارے میں استفسار بجا بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ ملاحظہ کیجیے:

"میرے خیال میں عام شریف ہندوستانی عورت کی طرح اب تک تمھارے گیارہ بچے پیدا ہو چکے ہوں گے اور شاید دو تین کالی ماتا کی بھینٹ چڑھ چکے ہوں۔ چند مستقل طور پر بڑھی ہوئی تلی کے مریض ہوں (10)"۔

افسانے کا تیسرا قصہ پہلے دو قصوں سے زیادہ اہم تانیثی مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ قبول صورت یا کم صورت لڑکیوں کی شادیاں اس معاشرے میں ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اگر ایسی لڑکیاں غریب بھی ہوں تو مسئلے کی شدت روز افزوں ہو جاتی ہے۔ اس قصے میں ایک افسانہ نگار لڑکی کا افسانہ جب ایک اور افسانہ نگار مرد پڑھتا ہے تو وہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ افسانہ خاتون نے کسی اور سے لکھوایا ہے۔ افسانے کا زمان و مکان بتاتا ہے کہ یہ افسانہ اس وقت کی بات ہے جب برصغیر کی خواتین کے لیے افسانہ لکھنا اور اپنے جذبات کا اظہار کرنا بہت اتنا آسان اور عام نہ تھا۔ آج خواتین کو کئی قسم کی آزادیاں میسر ہیں لیکن سینکڑوں سال عزت و ناموس کے نام پر ان کے جذبات کا گلا گھونٹا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آزادی میسر ہونے پر وہ سوشل میڈیا اور ٹک ٹاک ایسے مخصوص فورمز پر مردوں کی نسبت زیادہ فعال نظر آتی ہیں۔ بہر حال اس ضمن میں اعتدال کا راستہ بے حد ضروری ہے۔ اسی لیے واحد متکلم اس بات پر حیران ہوتا ہے کہ کوئی گھر داری کرنے والی خاتون اس قدر جان دار اور خوبصورت افسانہ بھی لکھ سکتی ہے۔

"کون تصور کر سکتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں بھی افسانہ لکھ سکتی ہیں۔ وہ عورتیں جنھوں نے عمر بھر ڈیوڑھی سے باہر قدم نہ رکھا، جو چولھے سے بستر تک کے چکر میں عمر بھر گرفتار ہیں، جن کی مسکراہٹیں، ان کے لبوں میں بھنچی رہیں اور جن کے آنسو ان کے آنچلوں میں جذب ہوتے رہے۔ جو تنہائیوں میں

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

روئیں اور تنہائیوں میں ہنسیں۔ جنھوں نے مرتے دم تک اپنی زبان سے خاوند کا نام نہ لیا۔ جنھوں نے آسمان کو صحن کی وسعت کے ذریعے ناپا اور جن کے لیے چاند بالا خانے کی اوٹ میں جاتے ہی غروب ہو گیا۔(11)

افسانہ جوں ہی آگے بڑھتا ہے، اس میں تانیثیت کا ایک اور مسئلہ سامنے آتا ہے۔ دنیا بھر میں خوبصورت چہروں کو جبین نیاز پیش کی جاتی ہے۔ فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والی اداکاری، گلوکاری، مصوری اور فکشن لکھتی خواتین سے لوگ متاثر ہو کر عموماً ان کے فن سے زیادہ ان کی ذات میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں اور بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ ان کے الفاظ و آواز کی طرح عمومی تاثر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی خوبصورت ہوں گی۔ اس لیے جب واحد متکلم مداح کی ملاقات افسانہ نگار خاتون سے ہوتی ہے اور وہ اپنے سحر انگیز الفاظ کی نسبت بالکل مختلف دکھائی دیتی ہے تو وہ اس ملاقات پر اپنے آپ کو کوستا ہے۔ وہ اس کا کل شخصیت کو محض چہرے کی خوبصورت میں تولتا ہے۔ کسی بھی فن کار کے لیے یہ بے عزتی، بے توقیری اور تکلیف کا وہ مقام ہے جو واحد متکلم کی فکری کمینگی پر محمول ہے۔ ایک افسانہ نگار خاتون ہی نہیں، یہی رویہ اکثر رشتے دیکھتے وقت تمام کم صورت خواتین کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

"میرے تصور میں جن بڑی بڑی آنکھوں نے چراغ جلائے تھے وہ کہاں تھیں۔ وہ گال کہاں تھے جن کی مرمریں جھلک نے میری خزاؤں تک کو نکھار دیا تھا۔ وہ ہونٹ کہاں تھے جن کے رس نے میری تنہا راتوں میں خمار گھول دیے تھے۔ وہ بوٹا سا قد، وہ چھریرا بدن، وہ لانبے بال۔ یہ سب کہاں تھا۔ میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر تک اپنے اس سرمائے کو کہاں چھوڑ آئیں اور بے پلکوں کی چندھی آنکھیں اور پچکے گال اور پھٹے پھیلے ہونٹ، ٹھنگنا قد، بدھا بدن اور بھوسیلی بے رونق جٹائیں کہاں سے اٹھا لائیں تھیں۔"(12)

اس کے بعد کہانی میں لیبیا کی جنگ میں فوت ہو جانے والی فوجی کی فراغ دل، بے باک اور خوبصورت بیوی کا ذکر ہے جو کبھی عزت و عصمت کا استعارہ تھی لیکن اب لوگوں کے دل بہلانے اور اپنا پیٹ پالنے کے لیے جسم فروشی کرتی ہے۔ اس موضوع پر عالمی تناظر میں بہت سے ناول لکھے گئے اور فلمیں بنائی جا چکی ہیں۔ ان فلموں میں سے ایک میلینا2000 (Malèna) بھی ہے جس میں ایک بہت خوبصورت خاتون کو عیسائیت کے جلسوں میں حضرت مریمؑ کا روپ پیش کرنے کا کردار دیا جاتا ہے اور اس کے تخت کو کاندھوں پر اٹھا کر بازاروں میں سے گزارا جاتا ہے لیکن اس کے فوجی شوہر کی وفات کے بعد وہ جس جس سے مدد مانگتی ہے، سب اس کا استحصال کرتے ہیں۔ بالآخر وہ بھوک سے تنگ آ کر اسی پیشے سے منسلک ہو جاتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے بھی ایسی ہی خوبصورت خاتون کو جس کی ہر کوئی عزت کرتا تھا، فوجی شوہر کی جنگ میں شہادت کے بعد لوگوں کا دل بہلاتے دکھایا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اشیائے ضروریہ بھی انھی فوجیوں نے دی ہیں جو اس کے ساتھ وقت گزارنے آتے ہیں۔ واحد متکلم جو اس کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور اس کے حسن سے محظوظ ہوتا ہے اس کا بیان ملاحظہ کیجیے:

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ تم اس گاؤں کی سب سے فراخ دل حسینہ ہو، تمھارا نوجوان خاوند لیبیا کے محاذ پر مر چکا ہے اور تم اس گھر میں اکیلی رہتی ہو جس کی چار دیواری پست ہے اور جس کے دروازے کی زنجیر محض چھونے سے کھل جاتی ہے۔ تم شام کے بعد فوجی سپاہیوں کے پیش کیے ہوئے قسم قسم کے عطر لگاتی ہو اور تمھارے پاس ایک بستر ہے جو لکھنؤ کے ایک تعلقہ دار نے ایک پنجابی باورچی کو انعام میں دیا تھا اور پنجابی باورچی نے یہ بستر ایک فوجی سپاہی کے ہاتھ چمڑے کی ایک چھاگل کے عوض بیچ ڈالا اور سپاہی نے یہ بستر اس شرط پر تمھارے حوالے کر دیا کہ تم مرتے دم تک صرف اسی کی یاد میں اس پر اکیلی سوؤ اور اگر ہو سکے تو اس پر لیٹ کر آنکھوں میں کاٹو اور تارے۔"(13)

افسانے کا آخری قصہ ایک سرکاری افسر اور اس کی بیگم کا ہے۔ اس میں بیگم کا کردار تانیثی وجودیت پر سوال اٹھاتا ہے۔ وہ ایک ایسی خاتون ہے جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے اور اس کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑتی۔ اس کے باوجود اس کا شوہر اس سے خوش نہیں ہے۔ شوہر در حقیقت بیمار ہے اور پڑوس کے کتوں، دفتر کے غیر ضروری بوجھ اور ارد گرد کے شور شرابے کی وجہ سے تنگ آ چکا ہے جس کی وجہ سے وہ بیگم سے محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہے لیکن کر نہیں پاتا۔ وہ بیگم کی بڑی خدمات کو چھوڑ کر اس کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں سے صرفِ نظر نہیں کرتا، اسے ڈانٹتا ہے۔ بیگم پھر بھی اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ غصے کے عالم میں بس زمین کو گھورتی رہتی ہے، کوئی جواب نہیں دیتی کیوں کہ اسے اسی کی تربیت دی گئی ہے۔ نتیجتاً مرد کے دل میں اس کے لیے نرمی اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ان جذبات کی کیا وقعت ہے، یہ کتنے دیرپا ہیں اور کتنی دیر تک مرد کو اس مکرر طرزِ عمل سے روکے رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں؟

"تکیے کے ارد گرد پھول رکھنے سے تمھیں میں نے کئی مرتبہ منع کیا ہے مگر تمھارے کان پر۔۔۔ آخر مجھ ایسے دبلے پتلے انسان کے لیے اتنے بڑے پلنگ اور ان پر چار تکیوں اور اتنے لمبے چوڑے لحاف کی کیا ضرورت تھی۔ بھئی مجھے تمھاری اس عادت پر ہمیشہ اعتراض رہا ہے کہ میں بول رہا ہوں، بولے جا رہا ہوں اور تم فرش کو گھور رہی ہو، گھورے جا رہی ہو۔ کوئی بات کرو، کچھ بولو، خفا ہو جاؤ، میری بات ماننے سے انکار کر دو۔۔۔ شاہدہ تم میرے جوتے پالش کرتی ہو، میرے کپڑے دھوتی ہو، میرے لیے کھانا تیار کرتی ہو، میرے پاؤں دابتی ہو اور میری ذرا سی خفگی پر خوب خوب روتی ہو۔ تمھارے آنسو دیکھ کر مجھے تم پر کتنا رحم آتا ہے اور مجھے اپنی اہمیت کا کتنا شدید احساس ہوتا ہے میری رفیقہ حیات!"(14)

افسانہ "کرن" خواتین سے رشتے کے بارے میں رائے نہ لینا، ان پر اپنی مرضی مسلط کرنا اور خاندان سے باہر بہتر رشتے میسر ہونے کے باوجود محض ذات برادری کے بندھنوں میں بندھ کر بچیوں کی زندگی کو تباہ کرنے ایسے مسائل کو زیرِ غور لاتا ہے۔ افسانے کا بنیادی کردار "شمسو" ایک ایسے امیر دیہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شمسو کے والدین اسے بہت ناز و نعم سے پالتے ہیں جس کے سبب وہ کچھ

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

خود سر ہو جاتی ہے اور گھریلو کام کاج سے بھی دور رہتی ہے۔ شمسو جوان اور حسین ہے اور اسے اپنے وجود کا مکمل احساس اور اس پر بجا طور پر فخر ہے۔ اس کی منگنی بچپن میں چچازاد شہباز سے کر دی جاتی ہے جو سارے گاؤں میں جوانی اور حسن میں اپنی مثال آپ ہے۔ شہباز فوج میں بھرتی ہو کر جنگ کے لیے چلا جاتا ہے اور واپس آتا تو اس کے والدین گزر چکے ہوتے ہیں۔ جنگ کی تباہ کاری اور والدین کا بچھڑنا شہباز کے لیے کئی قسم کے جسمانی اور نفسیاتی مسائل کا شاخسانہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ تنہا اور اداس ہو جاتا ہے۔ اس تنہائی کو دور کرنے کے لیے اس کی واحد آس اس کی ہونے والی بیگم اور بچپن کی محبت شمسو ہے۔ شمسو کو والدہ کی زبانی شہباز کی بیماری کی خبر ملتی ہے اور وہ شہباز سے شادی سے انکار کر دینا چاہتی ہے۔ شمسو کی والدہ بھی شہباز سے شادی پر راضی نہیں ہوتی لیکن اس کے والد کو شہباز سے رشتہ داری اور بچپن کی منگنی کے معاشرتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے وہ اس شادی کے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ صورتِ حال شمسو کے دل میں شہباز کے خلاف فطری رد عمل پیدا کر دیتی ہے اور وہ نفسیاتی کشمکش سے گزرتی ہے۔ اس کی پریشانی اور بے چینی اتنی زیادہ بڑھتی ہے کہ وہ رات کے اندھیرے میں شہباز سے خود اپنی زندگی کی بھیک مانگنے چل پڑتی ہے۔ ملاقات پر اس کے دل میں دوبارہ سے بچپن کی محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ افسانے کا یہ اختتام قارئین کو خوش کرنے کی ایک کاوش تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے خواتین پر جاری معاشرتی جبر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس میں انھیں اپنی زندگی کے جائز انتخاب اور فیصلے کا اختیار بھی نہیں دیا جاتا۔

شمسو کا کردار وجودیت اور خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے لیکن والد کی منشا کے آگے وہ اور اس کی والدہ بے بس ہی رہتی ہیں۔ اس میں اتنی جرات بھی پیدا نہیں ہوتی کہ وہ والدہ کے سامنے اس شادی سے انکار کر سکے۔ اسی لیے اس کے پاس شہباز سے ملنا آخری حل بچتا ہے۔ اس کا شہباز سے مل کر فوراً شادی کے لیے رضامند ہو جانا ایک عارضی نفسیاتی کیفیت تو ہو سکتا ہے لیکن اس کی زندگی میں انتخاب کے مرحلے کا کوئی مستقل حل نہیں ہو سکتا۔ شمسو جو اپنی شادی کے معاملے میں بے بس ہے، اسے کس ناز و نعم سے پالا گیا تھا، اس کی جھلک افسانے کے اس حصے میں دیکھی جا سکتی ہے:

> "وہ گھر میں رعب گانٹھ سکتی تھی۔ منھ مانگی چیزیں حاصل کرتی، من آئی بات کہتی، ہر چیز کا دوسروں سے بڑا حصہ مانگتی اور روٹھ کر بھی پا لیتی۔ سہیلیوں میں رانی بن بیٹھتی۔ ان پر حکم چلاتی اور وہ ریشمی کپڑوں میں بھی لپٹی ہوئی اس گوری چٹی مغرور اور غصیل رانی کی خدمت کرنا عین سعادت سمجھتیں۔"(15)

شہباز کی موجودہ حالت کے تناظر میں شمسو کی والدہ کا احتجاج ملاحظہ کیجیے جسے افسانے میں بہر حال نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کی کھلی باتوں سے بھی شمسو کا والد نہ ماننے کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "باپ نے شہباز کو اس کا منگیتر چنا ہے اور ماں ابھی تک اڑی ہوئی ہے کہ شہباز برما کی لڑائی سے واپس آتے ہی کچھ ایسا بیمار پڑا ہے کہ سنبھلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ روز بروز اس کے جسم سے گوشت اور چربی جھڑتی جا رہی ہے اور کمزوری کی وجہ سے اس کی ناک کا بانسہ طوطے کی طرح مڑ گیا ہے۔ میں اپنی لاڈلی

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

شہباز کے حوالے کرنے سے پہلے سنکھیا کی پڑیا کیوں نہ دے دوں۔۔۔جب پتیوں میں سے بچھو کا ڈنک صاف نظر آرہا ہے تو پھول توڑنے میں کہاں کی دانائی ہے۔(16)

شمسو کی اداسی کی وجہ کوئی اور انتخاب نہیں ہے بلکہ غلط انتخاب ہے جس کی وجہ سے اس کی اداسی گہری ہوتی جاتی ہے۔اس کا اظہار چونکہ وہ کسی سے نہیں کر سکتی اس لیے وہ شدید ذہنی اضطراب کا شکار ہو کر غیر معمولی حرکتیں کرتی ہے۔اس کے لاشعور میں خودکشی تک کے خیالات پنپنے لگتے ہیں۔شمسو کو چوں کہ ایک باہمت کردار دکھایا گیا ہے اور وہ شہباز سے جان چھڑانے کے لیے خود اس سے بات تک کرنے چلی جاتی ہے اس لیے وہ کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھاتی جس سے اسے جانی نقصان ہو۔بصوتِ دیگر کوئی کمزور کردار ایسی غیر معقول حرکت بھی کر سکتا ہے۔

"بھادوں کے شروع میں جب برکھارت نے پہاڑوں کو دھوڈالا اور کھیتوں میں آئینوں کی چادریں جمادیں تو شمسو کی اداسی ناقابلِ بیان کرب کی صورت اختیار کر گئی۔اسے اپنے والدین سے نفرت محسوس ہونے لگی۔سہیلیوں کو بے طرح جھڑک کر تنہا رہ گئی لیکن اس کی تنہائیاں شہباز کے ڈراؤنے پیکر کی پرچھائیوں اور گاؤں کے دوسرے جوانوں کی پھبتیوں سے لبریز تھیں اور جس روز اسے معلوم ہوا کہ شہباز عصر کے بعد پلنگ پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گیا ہے تو اس نے تہیہ کر لیا کہ آج راجو یا امی کے سامنے اپنے سینے کا سارا ابال اگل دے اور اگر کوئی بھی اس کی دستگیری کو نہ پہنچے تو چھت پر چڑھ کر چیخنے اور پیٹنے اور بال نوچنے لگے اور بے رحم والدین کی عاقبت نااندیشی کا ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتی، بھڑکتے تندور میں گر کر جل مرے یا کسی کگر پر سے نیچے اندھیری کھاڑی میں کود جائے۔"(17)

شمسو کی شہباز سے رحم کی بھیک درحقیقت زندگی کی بھیک ہے۔اس کے آنسو وہ ارمان ہیں جو ایک مضبوط اور صحت مند شریکِ حیات کی تلاش میں ہیں۔اس میں کچھ بھی معیوب نہیں ہے لیکن اس کا اظہار معاشرے کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔ملاحظہ کیجیے:

"میں تم سے رحم کی بھیک مانگنے آئی ہوں شمسو کی واز میں گھٹا گھٹا سا ترنم تھا، جیسے ستار کے ڈھیلے تاروں سے کوئی رکار کا نغمہ نکلے۔میں نے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا، کسی سے بھیک نہیں مانگی، مگر میں تم سے۔۔۔اپنے مرحوم چچا کے بیٹے سے بھیک مانگنے آئی ہوں۔۔۔ اپنی زندگی کی بھیک ، اپنی ۔۔۔امنگوں کی بھیک۔"(18)

جہاں احمد ندیم قاسمی نے "کرن" میں بعید از امکان شادی کو معاشرتی جبر کے تحت سچ ہوتے دکھایا ہے وہیں افسانہ "تکمیل" میں رشتہ ازدوج میں بندھنے والی ایک بالکل نئی نویلی دلھن "گلزار" کو سسرال میں غیر مطمئن اور اپنی گزشتہ محبت کی تلاش میں سرگرداں دکھایا ہے۔گلزار اس لیے روحانی آزار میں مبتلا ہے کہ اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ایسے شخص سے کر دی گئی ہے جو مال و دولت میں تو اس کے محبوب سے زیادہ

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

مضبوط ہوتا ہے لیکن جذبات کو سمجھنا اور دلھن کا دل رکھنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ گلزار ایک خوبصورت اور ذہین لڑکی ہے جو اپنے گاؤں کے ایک غریب لڑکے، حبیب سے محبت کرتی ہے۔ حبیب پڑھا لکھا شریف النفس اور شاعر مزاج غریب لڑکا ہے۔ وہ ایک مدرسے میں منشی ہے۔ گلزار اس کی تخلیقی صلاحیتوں اور شاعری سے متاثر ہوتی ہے اور اسے لگتا ہے گلزار کا ہر شعر اس کے لیے ہے اور وہ اس کے ساتھ ہر دکھ سکھ میں خوش رہ سکتی ہے۔ تاہم، گلزار کے والدین اس کی شادی ایک امیر صوبیدار سے کر دیتے ہیں۔ صوبیدار میں تخلیقی صلاحیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اسے جذبات کے اظہار کا بالکل بھی سلیقہ نہیں ہے۔ گلزار چوں کہ اس کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ چکی ہے اور اس پر معاشرتی دباؤ، والدین کی عزت و ناموس اور اس مقدس رشتے کی پاس داری کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اس لیے وہ سخت ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آخر ہر رکاوٹ کو توڑ کر وہ حبیب کے گھر کی جانب بڑھتی ہے تاکہ اسے وہ سنگار دان واپس کر سکے جو اس نے اسے تحفے میں دیا تھا۔ گلزار کے لیے یہ حرکت اس کی نفسیاتی کشمکش سے بچنے کو کوشش ہے جو اسے حبیب کو بھولنے نہیں دیتی۔ گلزار کا تمام تر خدشات کے باوجود اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر گھر سے نکلنا اور حبیب کی نشانی واپس کرنا، درحقیقت شدید نفسیاتی تھکن اور ناامیدی کی علامت ہے۔ یہ افسانہ تانیثی حوالے سے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا رشتے میں مال دولت بچوں کے جذبات سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں؟ کیا والدین کی اولاد کے لیے بہتر مستقبل کی تلاش و جستجو اور محبت کے جذبات کو اولاد کے جذبات کے مقابل رد کر دینا درست عمل ہے؟ ان دونوں میں کس طرح توازن قائم کیا جا سکتا ہے؟ کیا گلزار کا یہ طرزِ عمل درست ہے کہ وہ اس رشتے کو قبول کرنے سے قبل احتجاج نہ کرے اور قبول کرنے کے بعد اس سے بالکل جدا رہ کر کسی اور کی یاد میں اپنی زندگی اجیرن کر لے؟ افسانے میں حبیب ایک حقیقت شناس لڑکا دکھایا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ گلزار کی چاہت میں پاگل ہونے کے بجائے درست راہ کا انتخاب کرتا ہے اور گلزار کو بھی اس حقیقت کو باور کرانے کی کوشش کرتا ہے:

> "اتنی سی بات ہے کہ شیرن فوج میں صوبیدار ہے اور میں مدرسے میں منشی ہوں۔ اس کی تنخواہ ہر مہینے سینکڑوں تک جاتی ہے اور میں مر کر تیس سے آگے نہیں بڑھتا اور غریب دولھا کبھی کسی لڑکی نے آج تک پسند نہیں کیا، غریب داماد تو ہے ہی دور کی بات۔ وہ ان بھکاریوں کو بھی منظور نہیں جو چراغ کی جگہ راتوں کو کٹیاؤں میں جھاڑ جھنکاڑ جلاتے ہیں اور جن کا کھانا گھر گھر کے سڑے بسے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اب رہ گئے ہم اور تم تو پیاری گلزار! ہماری تمھاری کون سنتا ہے اور زمانے میں جب کہ ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کی کوئی نہیں سنتا۔"(19)

گلزار کی ساس کو ایک نیک دل عورت دکھایا گیا ہے جو گلزار کو گھر سے رخصت اور والدین سے اچانک دوری کی وجہ سے بے چین اور تکلیف میں مبتلا سمجھتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گلزار ان سب سے بے زار ہو کر محض حبیب سے عمر بھر کی دوری کے خوف اور کسک میں مبتلا ہے۔ اس کی اس حالت پر نیک دل ساس کا ردعمل ملاحظہ کیجیے:

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"واسطے خدا کے ہٹ ہٹ کر بیٹھو۔۔۔ دیکھو تو دلھن کانپ رہی ہے مارے گھبراہٹ کے۔۔۔ دلھنوں کے ریشمی گھونگھٹوں میں بھی پہلے روز جو ایک سکون سا ہوتا ہے، ایک ٹھہراؤ سا، وہ گلزار کے گھونگھٹ میں ناپید تھا۔ اور ایک گھونگھٹ ہی پر کیا موقوف تھا، اس کے سارے جسم پر پڑی ہوئی گلابی شامل میں لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اور شال سے پرے گلزار کے ذہن میں بھی لہریں اٹھ رہی تھیں۔"(20)

حبیب کا یہ بیان بھی حقیقت سے خالی نہیں ہے جس میں وہ دنیا میں پھیلتی مادہ پرستی اور ڈوبتی انسانیت کی بات کرتا ہے۔ جذباتی محبت کی شادیاں ہو بھی جائیں اور معاشی خوش حالی میسر نہ ہو تو لوگوں کو غربت اور معاشی مسائل میں پھنس کر ایک دوسرے میں عیب نظر آنے لگتے ہیں اور گزشتہ محبتیں پچھتاوے میں بدل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی شادیاں تاحال پاکستان ایسے معاشی زوال آمادہ ممالک میں محبت کی شادیوں سے زیادہ کامیاب ہیں۔

"ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جب روح مٹ گئی اور جسم باقی رہ گیا۔ جب خوشبو اڑ گئی اور کاغذ کے پھولوں سے گلدستے سجائے جانے لگے۔ اب تاروں کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہتا کہ فرشتوں نے چاندی کے قطروں کا چھڑکاؤ کر دیا ہے یا کسی حور کا ست لڑا ہار موتی موتی ہو کر بکھر گیا ہے۔ یا ہم سے بچھڑی ہوئی روحیں جنت کے جھروکوں میں مسکرا رہی ہیں۔"(21)

احمد ندیم قاسمی کی کہانی "چڑیل" ایک مظلوم اور بے بس عورت کی داستان ہے، جو تقسیم کے ہنگاموں میں اپنی عزت لٹوانے کے بعد انسانی آبادی سے کچھ دور ایک کالی پہاڑی کی آغوش میں پناہ لیتی ہے۔ اس کی راتیں اپنوں سے بچھڑنے، عزت اور گھر بار لٹ جانے کے سوگ میں گزرتی ہیں۔ اسی حالت میں اس پر پاگل پن سوار ہو جاتا ہے اور وہ بلند آواز میں چیخیں مارتی اور روتی ہے۔ اس کی چیخیں سن کر توہم پرست سادہ لوح لوگ اسے چڑیل سمجھتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد ایک نوجوان مُراد بتاتا ہے کہ اس نے اسے دیکھا ہے اور وہ چڑیل نہیں انسان ہے؛ ایک بہت خوبصورت عورت جس کے سیاہ گہرے بال لمبے اور چہرہ روشن ہے۔ وہ اس کے حسن کی داستان کچھ اس انداز میں سناتا ہے کہ سب مبہوت ہو جاتے ہیں۔ جب وہ بتاتا ہے کہ اس کی پیشانی پر بندیا ہے تو عمومی تاثر یہ جاتا ہے کہ وہ ہندو ہے۔ مسجد کے مولوی صاحب اسے سادھو سنت اور مجذوب سمجھتے ہوئے لوگوں کو اس کی خدمت کی دعوت دیتے ہیں اور ہر دن کسی نہ کسی گھر سے اس کے لیے مخصوص جگہ پر کھانا رکھا جانے لگتا ہے۔ آبادی میں اس کے قہر سے بچنے اور اس سے رحمتیں طلب کرنے کے لیے چلے کاٹے جاتے ہیں، تعویزات تقسیم ہوتے ہیں اور وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ یوں وہ خاتون جس کے بارے میں کچھ لوگ اب بھی یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے کہ وہ چڑیل ہے یا مجذوب، اچانک پردے سے غائب ہو جاتی ہے۔ لوگ اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور مراد آگے جاتا ہے تاکہ اسے ڈھونڈ سکے اور اس کی شکل میں آبادی پر جو رحمتیں یا اس کی خدمت نہ کر پانے پر جو مصیبتیں دیہات پر نازل ہو سکتی ہیں، ان سے بچا جا سکے۔ مراد کچھ دیر تک واپس نہیں آتا تو آبادی کو لگتا ہے کہ مراد کی بھینٹ چڑھ چکی ہے لیکن دریں اثنا وہ ایک نومولود کو ہاتھوں پر اٹھائے نمودار ہوتا ہے۔ اس بچے کو بظاہر جیتی جاگتی لیکن اندر سے مری ہوئی خاتون نے جنم دیا ہے جو فسادات میں اپنا سب کچھ لٹا کر ان پتھروں کے درمیان رہ رہی ہے جن کے درمیان

GUMAN
گُمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اسے انسانوں سے زیادہ تحفظ محسوس ہوتا ہے۔ ہاتھوں پر نوزائیدہ بچے کو اٹھائے مراد کا بیان ملاحظہ کیجیے جو انسانوں کے ضمیر کو جھنجوڑ رہا ہے، انسانیت کے زخموں کو کرید رہا ہے اور فکر میں ارتعاش برپا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بچہ، حیاتِ نو کی امید اور انسانوں سے رحم کی التجا ہے۔

> "سامنے مراد ایک روتے ہوئے نوزائیدہ بچے کو بازوؤں پر اٹھائے کھڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا: تم حیران ہو رہے ہو دادا؟ پر اس میں حیرانی کی کونسی بات ہے۔ یہ تو ایک نیا انسان ہے۔ پچھلے چیت کی حیوانیت نے اسے جنم دیا ہے۔ یہ منوں بہے ہوئے لہو کا جوہر ہے۔ تم ایک دوسرے کو مبارک باد کیوں نہیں دیتے۔ دیوانی انسانیت کی کوکھ سے نکلے ہوئے اس نئے انسان کو تم ہاتھوں ہاتھ کیوں نہیں لیتے اور تم میرے پاس آکر اور اس چوٹی پر کھڑے ہو کر ساری دنیا کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ دھرتی کی اجڑی ہوئی مانگ کا سیندور پھر سے چمک اٹھا ہے۔ مگر اس عورت کے ماتھے پر تو بندیا کا نشان تھا۔ نیچے سے مولوی جی نے ایک اعتراض اچھالا اور مراد پکارا "مگر بچے کا ماتھا تو چاند کا ٹکڑا ہے۔" چڑیلوں کے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں! مولوی جی نے جیسے ساری دنیا کو سرزنش کی۔"(22)

یوں یہ افسانہ ایسی خواتین کے معاشرے میں رد و قبول کو ہدف بناتے ہوئے ختم ہو جاتا ہے جو بے آسرا ہیں، تقسیم کے تناظر میں لٹ پٹ چکی ہیں، گھر بار سب ختم ہو چکا ہے اور اب وہ نہ جانے کس کے بچے کو جنم دے رہی ہیں۔ ایسی خواتین کو شریکِ حیات یا جینے کا کوئی اور سہارا بمشکل تمام ہی میسر آتا ہے اور وہ شدید نفسیاتی مسائل سے گزرتی ہیں۔ مراد ایسا کوئی شخص ان کے حق میں آواز اٹھائے بھی تو اس کی آواز دبا دی جاتی ہے یا اسے قبول نہیں کیا جاتا۔

حواشی و حوالہ جات References

1. احمد ندیم، قاسمی، آس پاس، لاہور: اساطیر، 1995، ص: 10
2. ایضاً، ص:10
3. ایضاً
4. ایضاً، ص:11
5. ایضاً، ص:26
6. ص:29

7. https://www.psychologytoday.com/us/blog/the-young-and-the-restless/201109/limerence-when-is-it-more-than-heartbreak

8. ص:31

9. https://www.unicef.org/tajikistan/press-releases/malnutrition-mothers-soars-25-cent-crisis-hit-countries-putting-women-and-newborn.

10. احمد ندیم، قاسمی، آس پاس،لاہور :اساطیر،1995،ص:32

11. ایضاً،ص: 32

12. ایضاً،ص:34

13. ایضاً،ص:35

14. ایضاً،ص:41-42

15. ایضاً،ص:58

16. ایضاً،:59

17. ایضاً،ص:66

18. ایضاً،ص:70

19. ایضاً،ص:91

20. ایضاً،ص:86-87

21. ایضاً،ص:94

22. ایضاً،ص:117

23. ایضاً،ص:135

References in Roman Urdu:

1. Ahmad Nadeem Qasmi, Aas Paas, Lahore: Asatir, 1995, page: 10
2. Ibid, page: 10
3. Ibid
4. Ibid, page: 11

5. Ibid, page: 26
6. Page: 29
7. https://www.psychologytoday.com/us/blog/the-young-and-the-restless/201109/limerence-when-is-it-more-than-heartbreak
8. Page: 31
9. https://www.unicef.org/tajikistan/press-releases/malnutrition-mothers-soars-25-cent-crisis-hit-countries-putting-women-and-newborn.
10. Ahmad Nadeem Qasmi, Aas Paas, Lahore: Asatir, 1995, page: 32
11. Ibid, page: 32
12. Ibid, page: 34
13. Ibid, page: 35
14. Ibid, pages: 41-42
15. Ibid, page: 58
16. Ibid, page: 59
17. Ibid, page: 66
18. Ibid, page: 70
19. Ibid, page: 91
20. Ibid, pages: 87-86
21. Ibid, page: 94
22. Ibid, page: 117
23. Ibid, page: 135